# انظر الی ذی الوجہین

محمد آصف خاں

قبر پرستی کی بنیاد صاحب قبر کی حیات و سماع پر قائم ہے۔ اس عقیدے کے ماننے والوں کے نزدیک صاحب قبر زندہ ہوتا ہے، سننے اور سمجھنے کے علاوہ احساس و شعور بھی رکھتا ہے۔ کیا قرآن و احادیث اس مسئلہ پر خاموش ہیں؟ ہرگز نہیں! قرآن میں تو اس مسئلہ کو قطعی غیر مبہم اور واضح انداز میں متعدد مقامات پر بیان کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفر و شرک کے اس چور دروازے کو (جس کے ذریعہ مرنے والا قیامت سے قبل زندہ ہو سکے) ہمیشہ کے لئے بند فرمادیا۔ چنانچہ فرمایا : ۔

**والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا و ہم یخلقون اموات غیر احیاء و ما یشعرون ایان یبعثون.....** (النحل ۲۰-۲۱)

**ثم انکم بعد ذالک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون.....** (المومنون ۱۵-۱۶)

قرآن نے مردہ کی حیات و سماع کی اتنے پرزور انداز سے تردید فرمائی ہے کہ کسی قسم کے ریب و ابہام کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس کے علاوہ صحیح احادیث میں بھی اس باطل عقیدہ کو مختلف انداز سے رد کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ مردہ پرستی کے دلدادہ قبر پرستوں نے اس کا یہ توڑ نکالا کہ قرآن و صحیح احادیث کے مقابلہ میں ضعیف و منکر روایات اپنے نظریے کی حمایت میں لے آئے۔ ڈاکٹر عثمانیؒ نے جب ایمان خالص دوسری قسط میں قران و صحیح بخاری سے ان اکابر پرستوں کے دلائل کا آپریشن کیا تو قبر کے پجاریوں نے جو حیلے بہانے تراشنے کا انداز اختیار کیا اس کا نمونہ ابو جابر عبداللہ دامانوی کی الدین الخالص میں ملتا ہے وہ لکھتے ہیں :

ذیل میں ہم چند ایسی چیزوں

**کا ذکر تے ہیں جو موصوف کے نزدیک شرک و کفر ہیں مگر امام بخاریؒ ان کو تسلیم کرتے ہیں۔**

**(۲) امام بخاریؒ اس بات کے قائل ہیں کہ جب کسی کا پیر سُن ہو جائے تو وہ "یا محمدؐ" کہے اس کے کہنے سے اس کا پاؤں ٹھیک ہو جائے گا، الفاظ یہ ہیں!**

( باب ما یقول
الرجل اذا خدرت رجلہ حدثنا ) ابو نعیم قال حدثنا سفیان
عن ابی اسحٰق عن عبدالرحمٰن بن سعد قال خدرت رجل ابن عمر
فقال لہ رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمد

(ادب المفرد ص۱۹۳ عربی طبع اول لمنشدر)

ترجمہ: باب: پاؤں سُن ہو جانے پر کیا کہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سعدؒ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا پاؤں سُن ہو گیا تو ایک شخص نے ان سے کہا جو آدمی آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اس کا نام لیجئے انھوں نے کہا یا محمدؐ (ادب المفرد ص۲۸۱ اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی)

امام بخاریؒ نے اس حدیث پر باب باندھ کر جہاں اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے، وہاں وہ یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ جب کسی کا پاؤں سُن ہو جائے کو اسے کیا کہنا چاہیئے گویا امام بخاریؒ پیر سن ہو جانے کا وظیفہ بتا رہے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر عثمانی یہ وظیفہ پڑھنا شروع کرتے ہیں یا امام بخاریؒ پر کوئی فتویٰ لگاتے ہیں؟ ادب المفرد کے دوسرے نسخے میں حرف ندا "یا" نہیں ہے۔

٤٣٧ – باب ما يقول الرجل اذا خدرت رجله

٩٦٤ – حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا سفيان، عن أبي اسحق، عن عبد الرحمن بن سعد قال: خَدِرَتْ رِجلُ ابن عمر، فقال له رجل: اذكر أحب الناس اليك. فقال: محمد

فوٹو الدین الخالص دوسری قسط ص۱۵۶، ۱۶۰

دیکھئے بات کہاں سے کہاں جا پہنچی! حیات و سماع فی القبر کے مسئلہ کا رخ کس طرف موڑ دیا گیا۔ اس مولویانہ خلط مبحث کے ذریعہ جہاں اپنے مشرکانہ عقائد کا دفاع مقصود ہے، خواہ اس کے لئے کوئی بھی دلیل نہ ہو، وہاں ڈاکٹر عثمانیؒ کے خلاف تعصب، بغض و عناد سے بھرے جذبات کی تسکین بھی مطلوب ہے۔ موصوف نے اپنے اس شاہکار میں ادب المفرد کی روایت کے حوالہ سے جو انکشافات فرمائے ہیں اب ذرا ان پر بھی غور کرلیں۔ فرماتے ہیں

(۱) امام بخاریؒ نے اس حدیث پر باب باندھ کر روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

(۲) امام بخاریؒ پیر سن ہونے والے کو گویا "یا محمدؐ" کا وظیفہ بتا رہے ہیں"

پھر آخر میں فرماتے ہیں

(۳) "اب دیکھتے ہیں ڈاکٹر عثمانی یہ وظیفہ پڑھنا شروع کرتے ہیں یا امام بخاریؒ پر کوئی فتویٰ لگاتے ہیں"

اس طرح موصوف نے ڈاکٹر عثمانی کے خلاف آتش انتقام بجھانے کی غرض سے جوش استدلال میں پہلے امام بخاریؒ پر الزام تراشی کا انداز اختیار کرتے ہوئے ادب المفرد کی روایت کو صحیح تسلیم کرا کے "یا محمد" کا وظیفہ بتانے والا ثابت کر دکھایا اور پھر یہ بھی فیصلہ فرمادیا کہ اب دو ہی راستے ہیں یا تو ان کے بقول "یا محمد" کا وظیفہ اختیار کرلیا جائے ورنہ امام بخاریؒ پر فتویٰ لگایا جائے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ موصوف نے یہاں یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ خود کس موقف کے حامل ہیں، "یا محمد" کا وظیفہ جپنے والے یا امام بخاریؒ پر فتویٰ لگانے والے! دراصل ایک مولوی سے یہ توقع بھی نہ رکھنا چاہیئے کہ وہ اتنی جلدی دو ٹوک موقف اختیار کر کے اپنے "عالمانہ و شاطرانہ" حربوں کا راستہ ہی بند کردے اور اکابر پرستوں کو اپنا مخالف بنالے۔ قبل اس کے کہ موصوف کی اس "عالمانہ مصلحت" کی مزید نقاب کشائی کی جائے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ امام بخاریؒ کے بارے میں موصوف کا یہ کہنا کہ انہوں نے ادب المفرد کی مذکورہ روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے، محض افسانہ طرازی یا تجاہل عارفانہ ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ صحیح بخاری سے قبل کی

تالیفات میں صحیح وضعیف روایات موجود ہیں۔اس بات کا امام بخاریؒ کو بھی شدت سے احساس تھا تب ہی تو انہوں نے اپنے استاد اسحاق بن راھویہ کی خواہش پر صرف صحیح احادیث کی جمع کا اہتمام کیا تھا جو آج صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے۔ موصوف نے امام بخاریؒ کی کتب سے استدلال کرکے ان کے متعلق جو ہرزہ سرائی کی ہے اس کا مسکت جواب حبل اللہ شمارہ نمبر ۱۳ میں یوں دیا گیا ہے۔

"احمد بن حنبل کی حمایت اور ان کے باطل عقیدہ حیات فی القبر کے اثبات کے لئے جن عالمانہ فریب کاریوں کا سہارا لیا گیا ان میں یہ بھی ہے کہ صحیح بخاری کی بعض احادیث کے غلط معنی کرکے ان کی من مانی تشریح کی گئی ہے کہ جس سے قرآن و حدیث کی تکذیب لازم آتی ہے۔ علاوہ ازیں امام بخاری کی الجامع الصحیح کی تالیف سے قبل کی کتب سے اخذ و استنباط کرکے ان کے متعلق غلط بیانی کے ذریعہ فریب دہی کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ امام بخاریؒ نے "صحیح" کی تالیف سے قبل عام رواج کے مطابق صحیح اور ضعیف روایات کو مخلوط جمع کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے بھی بشمول امام بخاریؒ کے ان کی کلی یا مجموعی صحت کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ صحیح اور ضعیف روایات مخلوط جمع کرنے کے رواج کی وجہ سے اخذ اور عمل میں انتہائی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا چنانچہ جب امام بخاری کے استاد اسحاق بن راھویہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کوئی شخص صرف صحیح احادیث کی جمع کا کام کرے تو امام بخاری نے الجامع الصحیح کی تالیف کا قصد کیا۔

**"ابراهيم بن معقل النسفي يقول قال ابو عبدالله محمد بن اسمعيل البخاری کنا عند اسحق بن راهويه فقال لو جمعتم کتابا مختصرا الصحيح سنه رسول الله صلی الله عليه وسلم قال فوقع ذالک قلبی فاخذت جمع الجامع الصحيح۔"**

ترجمہ : ابراہیم بن معقل نسفی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بیان کیا کہ ہم لوگ ایک دن اسحاق بن راھویہ کے پاس جمع تھے انہوں نے ہم سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ تم لوگ ایک مختصر مگر صحیح احادیث کی کتاب مرتب کرو۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ استاد کی یہ بات میرے دل میں جڑ پکڑ گئی تو میں نے الجامع الصحیح کی تالیف کی۔ (حبل اللہ شمارہ ۱۳ ص ۴۴)

اب ذرا مسلک اھل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام لاہور کا دسمبر ۱۹۹۳ء کا شمارہ ملاحظہ فرمالیں۔ اس سے موصوف کے "دو رخے کردار" پر کچھ روشنی پڑجائیگی۔ انہوں نے خود کو مسلک اہل حدیث کا سچا ہمنوا ثابت کرنے کے لئے جو مضمون تحریر فرمایا اس کا کچھ اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔

ہفت روزہ الاعتصام لاہور — ۲۳ — ۳ رجب ۱۴۱۴ھ

تحقیق و تنقید — ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی۔ کراچی

## مدد کے لئے یا محمدؐ، یا رسول اللہ پکارنا شرک ہے

ذیل کا مضمون "الادب المفرد" کی ایک ضعیف روایت سے بریلوی حضرات کے استدلال کی تردید پر مبنی ہے، جس کا مزید جواب راقم الحروف کے قلم سے اس سے قبل "الاعتصام" (۱۳ ستمبر ۱۹۹۱ء) میں شائع ہوچکا ہے، اور اب کتاب "قبر پرستی" میں شامل ہے، اب ڈاکٹر دامانوی صاحب نے بھی یہ مضمون اشاعت کے لئے بھیج دیا ہے، جسے ہم — ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است — کے تحت شائع کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے (ص ۔ ی)

(یعنی تیری مدد نہیں کر سکتا) میں تجھے (دنیا میں) تبلیغ کر چکا تھا کہ مالِ غنیمت میں چوری نہ کرنا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب الجہاد)

مقامِ غور ہے کہ پکارنے والا کوئی کافر و مشرک نہیں بلکہ گناہ گار مسلمان ہوگا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مدد کرنے سے بھی صاف انکار کر دیں گے۔ حالانکہ وہ شخص آپؐ کے سامنے ہی تکلیف و اذیت میں مبتلا ہوگا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی مدد کرنے کا اختیار ہی نہیں رکھتے ورنہ آپؐ اپنے ان اُمتیوں کی ضرور مدد فرماتے۔

ایک پوسٹر جو بزم خیر اندیش لاہور کی طرف سے شائع ہوا۔ اُس میں لکھا تھا "پکارو یا محمد صلی اللہ علیک وسلم" اور ثبوت کے طور پر ادب المفرد کی روایت کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن ادب المفرد کی روایت کو نقل نہیں کیا گیا کیوں کہ یہ روایت نقل کی جاتی تو ان کے مشرکانہ عقیدہ کا بھانڈا بیچ چوراہے ہی میں پھوٹ جاتا۔ کیوں کہ ادب المفرد کی اس روایت میں پکارنے اور مدد مانگنے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ لیکن پوسٹر میں لکھا ہے: "امام بخاریؒ اور دیگر محدثین لکھتے ہیں۔ جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو یا محمدؐ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم" اب الادب المفرد کی روایت۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عن عبدالرحمٰن بن سعد قال خدرت رجل ابن عمر فقال له رجل اذکر احب الناس الیك فقال محمد (ادب المفرد ص۲۵۰ طبع سانگلہ ہل و طبع مصر)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن سعدؒ بیان کرتے ہیں کہ ابنِ عمرؓ کا پاؤں سُن ہو گیا تو ایک شخص نے اُن سے کہا کہ جو شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اُس کو یاد کیجئے تو انہوں نے کہا۔ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس حدیث میں اُذْکُرْ کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "یاد کیجئے" اور یہ ایک نفسیاتی علاج ہے۔ کیوں کہ پاؤں کا سُن ہونا خون کی گردش کے رکنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب انسان کو وہ شخص یاد آجائے کہ جسے وہ سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہو تو اُسے یاد کرتے ہی اُس کے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور پاؤں کا سُن ہونا ختم ہو جاتا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ اُذْکُرْ کا مطلب پکارنا اور مدد مانگنا کیسے بن گیا۔ الادب المفرد کے اس نسخے میں لفظ یا موجود نہیں ہے۔ نیز سانگلہ ہل کا یہ نسخہ مصری نسخے کا فوٹو ہے۔ جس میں قطعاً کوئی تصرّف نہیں کیا گیا ہے۔ پھر یہاں یا کا اضافہ بھی بے معنی ہے اس لئے وہی نسخہ درست ہے کہ جس میں یا نہیں۔ پھر یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس حدیث کا ایک راوی ابو اسحاق السبیعی ہے جو مُدَلِّس ہے اور اس روایت میں اس نے تدلیس سے کام لیا ہے اور مدلّس کا عنعنہ علّتِ قادحہ ہے۔ لہٰذا یہ روایت ہی جب ضعیف ہے تو اس سے استدلال کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور احناف کے اصول کے مطابق تو خبرِ واحد صحیح سے بھی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا جب کہ یہ روایت ہی ضعیف ہے۔

خود اس اشتہار میں ایک زبردست تحریف اور خیانت کا ارتکاب کیا گیا ہے اور اس طرح انہوں نے حدیث دشمنی کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور پوری اُمتِ مسلمہ جب بھی نبیؐ کا نامِ نامی ذکر کرتی ہے تو ان کے نام کے بعد یہ درود و سلام پڑھتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی ان (محمدؐ) پر اللہ کا درود و سلام ہو

نبیؐ کا اس درود و سلام کو پڑھنا اور اپنی اُمت کو سکھانا یہ معنی رکھتا ہے کہ ان کو یہ درود و سلام بذریعہ وحی سکھایا گیا ہے۔

(باقی ص۳۲ پر)



ملاحظہ فرمایا موصوف نے کیسی کروٹ بدلی ہے' اپنی کتاب میں تو "یا محمد" کے کلمات کو کفر و شرک سمجھنے والے ڈاکٹر عثمانیؒ کو ہدف تنقید بنایا تھا' اپنے استدلال کی تائید و تقویت کے لئے امام بخاریؒ پر بھی شرک کا الزام لگاتے ہوئے انہیں "یا محمد" کی تلقین کرنے والا ثابت کیا تھا اور ادب المفرد کی روایت کو استدلال کی بنیاد بنایا تھا۔ اب الاعتصام کیلئے تحریر کردہ مضمون میں معاملہ الٹ گیا "یا محمد" کہنا شرک قرار دیا گیا' وہی روایت اب ضعیف ثابت کی گئی اور اس روایت کو "یا محمد" کے کلمات کے لئے دلیل بنانا غلط ثابت کر دکھایا گیا! ایک اور ہوشیاری بھی ملاحظہ ہو۔ کتاب میں حرف ندا "یا" پر زور تھا کیونکہ یہی تنقید کی بنیاد تھا اور وہاں یہ بات

(باقی صفحہ ۴۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

شامل ہونے والوں میں سے کھرے اور کھوٹوں کو چھانٹتا رہے کہ کون ہے جو ہر قسم کی آزمائش اور شیطانی ترغیبات کے باوجود استقامت کے ساتھ "ثم لم یرتابوا" کا تقاضا پورا کرتا ہے اور کون اپنے ازلی دشمن کے فریب میں آکر پٹڑی سے اتر جاتا ہے (پٹڑی سے اترنے والے عموماً نفس پرست ہی ہوتے ہیں جو دین حق کے لئے اٹھنے والی تحریک کے تقاضے پورے نہ کر سکیں یا تقلید اعمٰی اور ذہنی مرعوبیت کا شکار ہوں' ایسے کھوٹے سکوں کا چھٹ جانا ہی تحریک کے لئے خیر کا باعث ہے!)

دیکھئے! اللہ کے بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ شجر طیبہ کی خون و پسینہ سے آبیاری کرنے اور دین حق کی سربلندی کے لئے جان و مال قربان کرڈالنے کو فوز عظیم سمجھتے ہیں اس کے برعکس کفر کی روش اختیار کرنے والے طاغوت کے دفاع میں اپنی توانیاں صرف کرنے میں لذت نفس پاتے ہیں۔ اب آپ کی مرضی اپنی حیثیت و مقام کا تعین فرمالیں!

**وماعلینا الا البلاغ**

## بقیہ

# انظرا لیٰ ذی الوجہین

احتیاطاً (پکڑ سے بچنے کے لئے غالباً) کہدی گئی تھی کہ "ادب المفرد کے دوسرے نسخہ میں حرف ندا "یا" نہیں ہے" جبکہ الاعتصام والے مضمون میں ثابت کیا گیا ہے کہ "یا" کا اضافہ بے معنی ہے! یعنی جو روایت پہلے صحیح تھی اب ضعیف ہوگئی' جو بات پہلے با معنی تھی اب بے معنی ہوگئی اور جو موقف پہلے غلط تھا اب صحیح ہوگیا! یہ دو شاہکار کیا ایک دوسرے کی ضد نہیں؟ دیکھئے! قرآن و صحیح احادیث کو چھوڑ کر ضعیف احادیث کو عقیدہ و استدلال کی بنیاد بنانے والوں کا یہی انداز ہوا کرتا ہے' ایک بات کو ایک جگہ ثابت کرتے ہیں دوسری جگہ اس کی تردید کردیتے ہیں اس کی کچھ مثالیں الدین الخالص میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اگر موصوف الاعتصام میں ہی اس بات کا اعتراف کرلیتے کہ پہلے مجھ سے غلطی ہوگئی اور میں ڈاکٹر عثمانی کی مخاصمت میں اندھا ہوگیا تھا اب میں اپنے موقف سے رجوع کرتا ہوں تو ہمیں اس نشاندہی کی ہرگز ضرورت نہ پڑتی۔

بہرحال! غلط موقف پر جمنے والے ذہن پرست و نفس پرست "دو رخے" مولوی کی حیثیت نبی علیہ السلام کے فرمان سے واضح ہوجاتی ہے :

**عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجدون شر الناس یوم القیامۃ ذا الوجھین الذی یاتی ھوء لاء بوجہ و ھؤلاء بوجہ...** (متفق علیہ)

ترجمہ : ابوھریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت بدترین لوگوں میں سے اس کو پاؤ گے جو دورخا ہو (منہ دیکھی بات کہنے والا منافق) جو ان کے پاس آئے گا ان کی سی بات کہے گا اور ان کی پاس جائیگا تو ان کی سی کہے گا۔

**ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع و ھو شھید -**

ترجمہ : بلاشبہ اس میں نصیحت ہے ہر اس شخص کے لئے جو قلب (سلیم) رکھتا ہو اور توجہ سے بات کو سنے"۔

# كبر على المشركين ما تدعوهم اليه

انیس الدینؒ

انتہائی عظیم، حکیم و باکمال ہے اس کائنات کا خالق و مالک جس نے ایک حقیر شئے کو مختلف مراحل سے گزار کر انسانی وجود بخشا۔ اور بلاشبہ احسن الخالقین نے اس کو بہترین مخلوق بنایا، نہایت ہی عمدہ اور پروقار پیکر عطا فرمایا۔ پھر عظیم منصوبہ امتحان کے تحت اس کو اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا اور مخلوقات عالم کو اس کی خدمت کے لیے مسخر کر دیا۔ بنی نوع انسان کی آفرینش کے ساتھ اس کو اس امتحان کا شعور بھی عطا فرمایا کہ ایک ازلی عہد کے ذریعہ خاص اپنی بندگی کا پابند بنا دیا۔ یہ بھی رب العالمین کا بے انتہا فضل و کرم ہے کہ اس عہد کی پیہم یاد دہانی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو لگاتار مبعوث فرمایا اور ان کو انسانی فکر و نظر، عقیدہ و ایمان اور اخلاق و کردار کی صحیح معنوں میں اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر پسندیدہ دین اسلام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مردہ پرست قوم کو الٰہ واحد کی بندگی کی طرف پکارا اور بھرپور انداز میں سمجھایا کہ یہ نبی اور ولی جن کو تم زندہ سمجھ کر مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے پکارتے ہو، ان کو نافع و ضار تسلیم کرتے ہوئے ان سے مانگتے ہو، ان کے وسیلہ کو دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ سمجھتے ہو، تو یاد رکھو کہ یہ بالکل ہی مردہ ہیں، ان کے لاشے بے جان ہیں ان میں زندگی کی رمق بھی نہیں، یہ تمہارے حالات سے بالکل بے خبر ہیں۔ اللہ حی لایموت کو اکیلا رب مانو! اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک نہ کرو۔ اس انقلابی پیغام، بے لاگ اور سچی بات کو تھوڑے ہی سعید الفطرت ہمت وروں نے مانا، اپنے ایمان و عقیدہ کو شرک کی آمیزش سے پاک کر کے اس مشن کا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و نصرت سے ان کو فتح و کامرانی سے ہمکنار فرمایا، اللہ کے دین کو تمکن حاصل ہوا، قبروں اور مورتیوں کی شکل میں مردوں کو پوجنے والی قوم ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئی۔ اسلام غالب ہوا اور اللہ کی زمین عدل و انصاف اور امن و سکون کا گہوارہ بنی، انسانی تاریخ کا ایک روشن باب مرتب ہوا۔

نبی علیہ السلام کے تیرہ سالہ مکی اور دس سالہ مدنی دور میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ دعوت حق کے شدید ترین مخالف ایک طرف تو عقل و دانش والے سرداران قریش تھے جو بیت اللہ کی نگرانی و خدمت کا منصب سنبھالے ہوئے تھے تو دوسری طرف اہل کتاب کے علامہ اور مشائخ تھے جن کا معاشرے میں اعلیٰ مقام تھا۔ ان سب کا ایمان و عقیدہ شرک سے بری طرح آلودہ تھا اور ان کے عقیدہ کے بگاڑ کا بنیادی سبب یہ نظریہ تھا کہ مردہ زندہ ہے، پکار سن سکتا ہے، زندوں کو فیض پہنچا سکتا ہے۔ قرآن و حدیث میں انتہائی شدت کے ساتھ اس

مشرکانہ عقیدہ کا رد کیا گیا ہے۔ نبی علیہ السلام کو ان کے اس باطل عقیدہ (یعنی مردہ کا زندہ ہونا جو قبر پرستی کی بنیاد تھا) کا شدید احساس تھا چنانچہ آپ ؐ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ "جو بھی اونچی قبر نظر آئے اس کو زمین کے برابر کر دیا جائے....." (مسلم)۔ اس کے علاوہ مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے قبروں کو پکا بنانے' ان پر عمارت تعمیر کرنے اور وہاں مجاور بن کر بیٹھنے سے منع فرمایا" (مسلم عن جابرؓ) نبی علیہ السلام کو قوم کے اس مشرکانہ نظریہ قبر پرستی سے کس قدر شدید نفرت اور بیزاری تھی' اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں بھی اس کا شدت سے اظہار ہو رہا ہے۔ جس کی منظر کشی بخاری و مسلم کی روایات کرتی ہیں۔ نبی علیہ السلام مرض الموت میں اپنی چادر کے کنارے کو بار بار چہرہ پر ڈالتے ہیں' سانس رکنے لگتا ہے تو چادر کو چہرہ سے ہٹا دیتے ہیں۔ بیماری کی انتہائی شدت ہے لیکن اس عالم میں بھی امت ہی کی فکر دامن گیر ہے' بار بار فرماتے ہیں "اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے' انہوں نے انبیاء وصلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ اللہ یہود و نصاری کو ہلاک کرے' انہوں نے انبیاء و صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ بدترین ہیں وہ لوگ جو انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنائیں۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔" پھر یہ بھی فرماتے تھے کہ "یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان میں سے کوئی نیک شخص مرجاتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے' پھر ان لوگوں کی تصاویر و مورتیاں بنا لیتے۔ یہی لوگ ہیں جو روز قیامت بدترین مخلوق قرار دیئے جائیں گے۔"

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں قبر پرستی کے فعل شنیع سے سخت نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا اور اس فعل کے مرتکبین کو لعنت و ہلاکت کا سزاوار ٹھہرایا۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پرستی کے شجر خبیثہ کی جس شدت سے بیخ کنی فرمائی' یہ حب رسول کی دعویدار' نام نہاد امت مسلمہ اتنی ہی شدت عقیدت کے ساتھ اس کی آبیاری میں سرگرم عمل ہے! قبریں پکی بن رہی ہیں' ان پر قیمتی پتھر نصب کئے جا رہے ہیں' خوشنما گنبد تعمیر ہو رہے ہیں۔ پھر ان لوگوں کی تمناؤں اور عقیدتوں کے مراکز پر چادریں اور نذرانے ہیں' عرس اور میلے ہیں' ان مزار و مقبروں پر سجدے اور طواف ہیں' صاحب مزار سے عقیدت و خشیت ہے۔ دعائیں اور التجائیں ہیں غرضیکہ بندگی کا کونسا انداز ہے جو یہاں بجا نہ لایا جاتا ہو اور کیوں نہ ہو' ان کو یقین ہے کہ یہاں اولاد ملتی ہے' مراد پوری ہوتی ہے' یہاں کھوٹی قسمت کھری ہوتی ہے یعنی صاحب قبر قسمت بنانے والے ہیں (عیاذاً باللہ!)۔ پھر یہاں کیوں نہ شائقین کے ہجوم ہوں؟ چنانچہ مسجدیں ویران اور یہ مزار اور مقبرے آباد ہیں۔ اس طرح بہانگ دہل تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور ایمان و اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رب ذوالجلال کے قہر و غضب کو دعوت دی جا رہی ہے۔ فریب کاری کا انداز بھی خوب ہے کہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے اس "پوجاپاٹ" کو تعظیم و تکریم یا ایسے ہی دوسرے نام دے دیئے ہیں گویا نام بدلنے سے حقیقت بدل گئی۔ کیا زہر کی بوتل پر تریاق کا لیبل لگانے سے اس کی خاصیت بدل جائے گی؟

کیسی ستم ظریفی ہے کہ اپنے جیسے انسان کو مرے پیچھے حاجت روا و مشکل کشا بنا لیا جاتا ہے' بے پناہ قوت و اختیار اور تصرف کا حامل قرار دے لیا جاتا ہے! حالانکہ قرآن کے ارشاد کے مطابق تمام انسان مجبور محض ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے' خواہ وہ عام انسان ہو یا کوئی نبی' ولی یا شہید' سب اس کی بندگی کے لیے پیدا کئے گئے ہیں نہ کہ اپنی خدائی کے لیے یا خدائی میں شرکت

کے لیے! قرآن و صحیح احادیث نے اس اہم مسئلہ توحید و شرک کو تشنہ نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ہر پہلو کی پوری وضاحت کردی ہے۔ تو پھر آخر یہ قبر پرستی کا زہر اس امت کی رگ و پے میں کیوں کر سرائیت کر گیا؟

تاریخی شواہد کے بہ نظر غائر مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اسلام کے قصر ذیشان میں نقب زنی تیسری صدی ہجری میں ہوئی جبکہ مسئلہ خلق قرآن کے ہیرو امام احمد بن حنبل نے صراحتاً یہ موقف پیش کیا کہ اس بات پر ایمان ہونا چاہئے کہ قبر کے اندر مردے میں اس کی روح کو لوٹا دیا جاتا ہے۔" (طبقات حنابلہ، مناقب احمد بن حنبل وغیرہ) بعد ازاں ان کے مسلک پرستوں اور متبعین نے اس عقیدہ کا خوب زور و شور سے پرچار کیا یہاں تک کہ اس کو پیغام ربانی کی طرح بسرو چشم قبول کر لیا گیا۔ پھر جب مردہ زندہ ہو گیا (اور زندوں سے بھی زیادہ فراست و صلاحیت والا!) تو اس قبوری دین کا راستہ کھلا، قبریں پختہ ہوئیں۔ عالیشان مقبرے تعمیر ہوئے، مجاورت کا بازار گرم ہوا اور وہ سب کچھ ہونے لگا جو آج مزارات و مقابر پر نظر آتا ہے۔ انتہائی افسوس اور دکھے دل کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ احبار و رہبان کے ہاتھوں جس جوش و خروش سے اس قبوری دین اور اس کے بنیادی عقیدہ کو شرف قبولیت بخشا گیا تھا اس سے زیادہ والہانہ انداز اور جذبہ وارفتگی کے ساتھ اب اس نظریہ کا دفاع کیا جا رہا ہے۔ کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں تو معلوم ہو گا کہ رب العالمین نے وجود انسانی کی حقیقت و حیثیت کو اس کے ابتدائی مرحلہ سے آخری مرحلہ تک پوری وضاحت و صراحت سے بیان فرما دیا ہے اور کسی بھی قسم کی قیاس آرائی کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ سورۃ المومنون کی آیات میں تخلیقی مراحل، پیدائش، موت اور بعث بعد الموت کا ذکر کس صراحت سے کیا گیا ہے، ملاحظہ

ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين ○ ثم جعلنه نطفة فى قرار مكين ○ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقه مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشانه خلقا اخر فتبرك الله احسن الخالقين ○ ثم انكم بعد ذالك لميتون ثم انكم يوم القيامة تبعثون ○... (المومنون ۱۲ تا ۱۶)

ترجمہ ہم نے انسانوں کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا پھر اس کو ایک بوند کی شکل میں محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔ پھر ہم نے اس بوند کو جمے ہوئے خون کی پھٹکی بنایا اور اس پھٹکی کو گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل کیا۔ پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں کی شکل عطا کر کے ہم نے ہڈیوں کو گوشت کا جامہ پہنایا اور آخر کار اس کو ایک بالکل دوسری مخلوق کی شکل میں وجود بخشا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ! احسن الخالقین۔ پھر اس زندگی کے بعد تمہیں موت آکے رہے گی اور اس کے بعد قیامت کے دن تم پھر اٹھائے جاؤ گے۔

معلوم ہوا کہ مالک کائنات نطفہ کی ایک بوند کو مختلف مراحل سے گزار کر وجود انسانی بخشتا ہے اور جب تک چاہتا ہے اس کو زندہ رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے موت دیدیتا ہے، موت کے بعد پھر قیامت کے دن ہی اٹھا کھڑا کریگا۔ یہ مالک ارض و سماوات، خالق کل شئی، مدبر و منصرم کائنات اور علیم و خبیر کا فرمان اور نص صریح ہے اور قرآن کی متعدد محکم آیات اسکو بیان کرتی ہیں جو آئندہ سطور میں پیش کی گئی ہیں۔ اس کے برعکس دوسری طرف مرنے والے کو قیامت سے پہلے اسی دنیوی قبر میں زندہ ہو جانے، سننے اور سمجھنے، احساس و شعور کا حامل

ہونے کا باطل اور گمراہ کن عقیدہ جس کے اثبات کے لیے منکر و موضوع روایت "فتعاد روحه فی جسده" (یعنی روح کو جسم کے واپس لوٹا دیا جاتا ہے) پیش کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:۔

# اِعادہ رُوح

صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ دفن کے بعد روح کو سوال و جواب کے لئے میت کے جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے مگر عثمانی صاحب اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں:

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مردہ کو ارضی قبر میں راحت یا عذاب سے دوچار کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا ہے۔ اور یہ سب روح کے تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردہ احساس رکھتا ہے اور راحت و عذاب کو محسوس کرتا ہے مگر یہ تعلق دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہوتا۔ اس کی کچھ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ مردہ کو جب دفن کیا جاتا ہے تو سوال و جواب کے لئے اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں براء بن عازبؓ کی روایت سب سے زیادہ مشہور ہے۔ (عکس عبارت الدین الخالص پہلی قسط ص۱۲۳)

۱۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ مردہ شعور رکھتا ہے یا نہیں تو یہ اور اس طرح کی بہت سی احادیث بتا رہی ہیں کہ مردہ نہ صرف شعور رکھتا ہے بلکہ وہ راحت و آرام کو بھی محسوس کرتا ہے اور عذاب کو بھی۔ وہ کلام بھی کرتا ہے جسے ہم اور آپ نہیں سُن سکتے۔

(ایضاً ص۴۸)

لہ البتہ قبض روح کے بعد جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو قبر کے سوال و جواب کے لئے اسے دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے۔

(عکس الدین الخالص دوسری قسط ص۲۳۲

بر جسدِ عنصری کو اللہ تعالیٰ قبر میں رُوح کے تعلق کی وجہ سے راحت یا عذاب میں مبتلا رکھتا ہے

(ایضاً ص۲۳۳)

قرآن کی محکم اور صریح آیات اور صحیح احادیث کے خلاف "عود روح" یعنی ارضی قبر میں مردہ کے زندہ ہونے کا موقف اختیار کیا گیا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ قبر پرستی کے شرک کی بنیاد فراہم کرنے والے اللہ کی پکڑ سے کیسے بے خوف ہیں اس کا اندازہ خود ان ہی کی تحریروں سے کیجئے۔ اپنے اکابرین اور ان کے باطل عقیدہ کے دفاع کے لیے کس طرح فریب کارانہ انداز اختیار کرتے ہیں اور الفاظ کے الٹ پھیر سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

> لیکن مختصر طور پر یہ تبلادیں کہ روح لوٹائے جانے کے باوجود بھی یہ حیات برزخی ہے اور وہ میت جس کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اسے کوئی بھی دنیا کی طرح زندہ نہیں مانتا کیونکہ محسوس حیات دنیا اور آخرت کے ساتھ مخصوص ہے۔ حیات برزخی ایک غیر محسوس حیات ہے۔ جسے اللہ پاک نے تمام انسانوں اور جنوں سے پردہ غیب میں رکھا ہے۔ لہذا روح لوٹائے جانے کے باوجود بھی (جیسا کہ روح لوٹائے جانیکا تذکرہ صحیح احادیث میں آیا ہے) وہ میت، میت ہی رہتی ہے اور اس پر میت ہی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ روح لوٹائے جانے پر میت دنیا کی طرح زندہ ہو جانی چاہیے اور یہی سخت مغالطہ ہے جس میں وہ مبتلا ہیں۔

(عکس عبارت الدین الخالص پہلی قسط ص ۲۸، ۲۹)

ملاحظہ کیجئے کہ اکابرین کے قول کو پتھر کی لکیر قرار دے کر کس طرح ارضی قبر میں مردہ کی حیات کو باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ قرآن و صحیح احادیث کے خلاف مردہ میں، یعنی دنیاوی گڑھے میں رکھے اسی لاشے میں، روح لوٹائی گئی اور مردہ زندہ ہو گیا لیکن "دنیا کی طرح زندہ نہیں ہوا"[1] یہ عجیب منطق ہے اور قرآن و حدیث کے صریحاً خلاف ارباباً من دون اللہ کی اختراع ہے۔ دراصل مردہ کو زندہ کر کے جس باطل موقف کے ذریعہ حقیقت کو جھٹلا دیا گیا، اب اسکو نبھانا بھی ضروری ہے ورنہ کوئی کہہ بیٹھے گا کہ جناب یہ اگر مردہ زندہ ہے تو پھر در گور کیوں ہے، اس کو باہر نکالیں! چنانچہ اس کی پیش بندی کے لیے یہ منطق اختراع کی گئی کہ "یہ حیات غیر محسوس ہے" طاغوت پرستی کا انداز بھی کیا خوب ہے۔ نص صریح کے خلاف جھوٹے عقیدہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کتنے ہی جھوٹ بولنا پڑیں، منطقی حیلے تراشنا پڑیں، سب گوارا ہیں لیکن کتاب اللہ کی سچی اور محکم بات کو من و عن تسلیم کرلینا انہیں پہاڑ معلوم ہوتا ہے! ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كبر على المشركين ماتدعوهم اليه....... (الشوریٰ - ۱۳)

یعنی (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی دعوت ان مشرکوں پر سخت گراں گزرتی ہے۔

نادانو! ذرا اس بات پر غور کرلو کہ عالم رنگ و بو میں انسان اپنے وجود عنصری کے ساتھ محسوس شے ہے، غیر محسوس نہیں۔ سیاہ کو سفید کہنا اور سفید کو

---

[1] موصوف اپنی محولہ بالا عبارت میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ "وہ میت جسکی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اسے کوئی بھی دنیا کی طرح زندہ نہیں مانتا۔" اسطرح موصوف نے اپنے آپ کو قدیم و جدید تمام ہی قبر پرستوں کے ہم عقیدہ ہونے کا اعلان فرما دیا ہے۔ دنیا والے مردے میں جس نوعیت کی حیات مانتے ہیں یا مانتے رہے ہیں قرآن اس کا اور مردہ لاشے کی ہر نوع حیات کا "اموات غیر احیاء" کے ذریعہ صریح اور بلیغ انداز میں رد کرتا ہے۔

سیاہ، نور کو تاریکی کہنا اور تاریکی کو نور، مردہ کو زندہ کہنا اور زندہ کو مردہ، یہ کہاں کی دانشمندی ہے! جب تک روح و جسم کا اتصال رہتا ہے انسان حیات دنیا سے تمتع کرتا ہے، شعوری طور سے قوانین عالم کے ماتحت رہتا ہے لیکن موت اس تعلق کو قطعاً منقطع کر دیتی ہے، اور موت کے معنی ہیں جسم سے روح کا نکل جانا، جسم کا بے جان لاشہ بن جانا، جس کو خواہ گڑھے میں دبایا جائے یا جلایا جائے، یا وہ عجائب گھر و سائنسی میوزیم کی زینت بنے یا کسی جانور کی خوراک، اب قیامت تک روح و جسم کا اتصال ممکن نہیں اور جسم و روح کے درمیان "قیامت تک برزخ" یعنی آڑ ہے جو آہنی دیوار سے بھی زیادہ ناقابل عبور ہے۔ قرآن کا یہی فیصلہ اور اس سلسلے میں نص صریح ہے۔ قیامت تک کی مدت میں یہ ارواح عالم برزخ میں ہیں (اور اس عالم کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں، اسی لیے اس کو عالم برزخ کہا گیا ہے)۔ انبیاء شہدا اور صالحین جنت کی راحتوں میں ہیں اور کافر و مشرک اور فاسق و فاجر جہنم کے عذاب میں، اپنے درجات اور ایمان و عمل کے لحاظ سے ہوں گے۔ اسی لیے شہداء کی حیات برزخ کا ذکر فرما کے بتایا گیا کہ :

○.....بل احیاء ولکن لا تشعرون○ (البقرہ : ۱۵۴)

"بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔"

پھر کچھ وضاحت فرمائی کہ :

○.....بل احیاء عند ربھم یرزقون○ (آل عمران : ۱۶۹)

"بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس وہاں رزق پا رہے ہیں"

ظاہر ہے کہ یہ سب عالم برزخ میں ہیں اس دنیا میں زندہ درگور نہیں۔ مزید یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جنت میں شہداء کی زندگی کے بارے میں تفصیلاً وضاحت فرما دی کہ وہ سبز اڑنے والے قالبوں میں جنت کی وسعتوں میں گھومتے پھرتے اور ہر طرح کی نعمتیں پا کر خوش و خرم ہیں۔ (مسلم)۔ جس کی تصدیق اللہ کی کتاب، فرحین بما اٰتھم اللہ من فضلہ..... (آل عمران : ۱۷۰) کے الفاظ میں کرتی ہے۔

اسی طرح صاحب یٰسین نے جنت میں یہ خواہش کی کہ "کاش میری قوم جان لے کہ میرے رب نے میری مغفرت فرمائی اور مکرم بندوں میں مجھے شامل فرمایا۔" یہی حیات برزخ ہے جو ہمارے شعور و ادراک (عالم محسوسات) سے یکسر ماوراء ہے اور اس جہان رنگ و بو سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ دنیا والوں کو دنیا کی اشیاء اور معاملات کا شعور ہوتا ہے نہ کہ عالم برزخ کے معاملات کا۔ ذرا سنو، اور کان کھول کر سنو! اس جہاں رنگ و بو سے تعلق حیات دنیا تک ہے (برائے عمل و امتحان) اور موت اس تعلق کو قیامت تک کے لیے ختم کر دیتی ہے۔ خیر القرون کے لوگ جو صحیح معنوں میں راسخون فی العلم تھے، ان کا یہی عقیدہ رہا ہے جو محکم آیات اور صحیح احادیث کے مطابق ہے۔ اس کے برعکس متشابہ، ضعیف و موضوع روایات اور منطقی استدلال کا سہارا لینا صریح گمراہی ہے۔ رب کریم کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس مسئلہ کی ایسی وضاحت فرما دی کہ کوئی بھی گوشہ خالی نہیں چھوڑا اور باطل تاویلات کا قطعاً سدباب فرما دیا اور گمراہ کن شیطانی منطق کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ (فالحمدللہ علیٰ ذالک) سورۃ النحل میں ایمان کی دعوت دیتے ہوئے غیر اللہ کی پکار کو باطل ثابت کرتے ہوئے بتا دیا گیا کہ :

○.....اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون○.....(النحل : ۲۱)

یعنی نبی وولی جن کو موت کے بعد حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارا جا رہا ہے) وہ بالکل مردہ ہیں ان میں جان کی رمق تک باقی نہیں۔ انہیں تو اپنے متعلق یہ بھی علم نہیں کہ وہ کب زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے۔ قرآن میں یہ محض تکلفاً نہیں کہا گیا' یہ حقیقت نفس الامری ہے' نص قطعی ہے۔ اس طرح حیات دنیاوی کے بعد موت قطعی کی واضح تشریح فرما دی گئی اور یہ محکم بات بھی بیان کر دی گئی کہ "بعث بعد الموت" قیامت سے قبل ممکن ہی نہیں۔ جسم سے روح کا نکلنا موت ہے اور یہ موت قطعی ہے کہ جان کی رمق بھی باقی نہیں رہتی (یعنی روح کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور یہ تعلق پھر دوبارہ قیامت کے دن ہی قائم ہو گا)۔ اب روح اور مردہ جسم کے تعلق کو (قبل از قیامت) ثابت کرنے کے لیے ان اکابر پرستوں کی ساری کوشش محض سعی لاحاصل ہے' ریت پر عمارت تعمیر کرنا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک طرف قرآن تو مردے کو قطعاً مردہ ثابت کرتا ہے تو دوسری طرف ان کے بزرگان فرماتے ہیں :۔

"یہ زندہ ہو جاتا ہے' زائرین کو پہچانتا ہے' نر و مادہ کی تشخیص کر لیتا ہے" یعنی "مردہ" "زندہ" سے زیادہ صاحب ذہانت و فراست ہو گیا ملاحظہ فرمایئے' کتاب اللہ کو جھٹلانے کا کیسا بے باکانہ انداز ہے!

موصوف نے اپنی مزعومہ "معرکہ الارا کتاب الدین الخالص" (اول' دوم) میں یوں تو بے شمار شگوفے چھوڑے ہیں جن کا انشاء اللہ وقتاً فوقتاً آپریشن ہوتا رہے گا' لیکن یہاں ان کے اس علمی نکتے کی طرف توجہ مبذول کرانا مقصود ہے کہ جس میں انکا مرکب ذہن تمام ہی حدود سے تجاوز کر گیا ہے' ملاحظہ ہو:

> ہاں اگر عثمانی صاحب یہ کہیں کہ قرآن کریم میں مردہ کے شعور کی کلی طور پر نفی کی گئی اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کریں۔
>
> أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ○ — یہ مردہ ہیں ان میں زندگی کی رمق تک باقی نہیں اور ان کو یہ تک معلوم نہیں کہ وہ (قبروں سے) کب اٹھائے جائیں گے۔ (النحل۔ ۲۱)
>
> تو ہم عرض کریں گے کہ یہ اور اس طرح کی دوسری آیات حیاتِ دنیوی کی نفی کرتی ہیں۔ اور بلاشبہ میت میں دنیاوی زندگی کی رمق بھی باقی نہیں رہتی۔ البتہ زندگی کے جن مراحل سے وہ اب گزر رہا ہے وہ برزخی حیات ہے۔ اور برزخی حیات کا ثبوت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ ان کو تو یہ شعور بھی نہیں کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے تو اس میں مردہ کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ زندہ انسانوں کو بھی اس کا مطلق شعور نہیں ہے کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے یا یہ کہ قیامت کب برپا ہو گی۔ کوئی بھی اس کا علم یا شعور نہیں رکھتا۔

(فوٹو الدین الخالص قسط اول ۵۴' ۵۵)

ملاحظہ فرمایا کہ رب ذوالجلال کے حکیمانہ کلام یعنی حکمت ربانی کو کس طرح موصوف کے بے لگام قلم نے جواباً ہدف تنقید بنایا ہے!'

گویا کہ اللہ تعالیٰ کا مردوں کیلئے یہ فرمان کہ :

"انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ کب اٹھائے جائیں گے"

سراسر بے مقصد ہے (معاذ اللہ!) جبکہ زندوں کو بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کب اٹھائے جائینگے!۔ یعنی موصوف کے مطابق زندہ انسان بھی اس ضعف اور کمزوری سے متصف ہیں۔ تو مردوں کیلئے اس کا ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ دراصل یہ وہی جواب کا انداز ہے جو ابلیس لعین کی نسبت قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس ملعون نے تکبر کے نشہ میں سرشار ہو کر اپنی ذہانت اور فراست کو اتنا بلند و بالا تصور کر لیا کہ رب ذوالجلال کو چیلنج کر دیا کہ

"میں اس سے (آدمؑ سے) بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا (بہتر مخلوق کمتر کو کیوں سجدہ کرے؟ گویا تیرا فیصلہ عدل و انصاف کے خلاف ہے' معاذ اللہ)..... (اعراف:۱۲) صاف ظاہر ہے کہ موصوف اسی تکبر کے جرثومہ کا شکار ہیں ورنہ جواب دہی کا احساس رکھنے والا خوف و خشیت کا حامل انسان تو عجز و انکساری کا پیکر ہوتا ہے' نہ اسکی زبان بے لگام ہوتی ہے نہ قلم۔ یہاں معمولی غور و فکر سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ رب ذوالجلال نے مردہ کے احساس و شعور کی نفی اور مردہ پرستوں کے اس عقیدہ پر چوٹ کی ہے کہ وہ مردوں کو مالک کائنات کا مد مقابل قرار دے کر ان کو عالم الغیب' حالات سے باخبر اور صاحب تصرف ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے جو سراسر باطل اور قطعی بے بنیاد ہے۔

الغرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کو ایک دو جگہ نہیں بلکہ متعدد آیات میں صراحت کے ساتھ واضح فرما دیا ہے اور ہر جگہ ایک دنیا کی زندگی اور ایک قیامت کی زندگی کا ذکر فرمایا ہے' کہیں دو موتوں کا بھی ذکر فرما دیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا :- کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون.....(البقرہ : ۲۸)

"تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو' حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی عطا فرمائی' پھر تمہاری جان سلب کرے گا پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا' پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

سورۃ المومن میں یوم حساب کے فیصلہ کے وقت کفار کا قول بیان کیا گیا :-

قالوا ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الیٰ خروج من سبیل○(المومن : ۱۱)

"کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب' تو نے واقعی ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی دی اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔"

ان آیات اور دیگر متعدد آیات سے قطعیت کے ساتھ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس جسم کے لیے صرف دو زندگیاں اور صرف دو موتیں ہیں تو پھر دنیاوی قبر میں اسی جسم کی تیسری زندگی اور تیسری موت کا نظریہ کہاں سے برآمد کر لیا گیا۔ اس تیسری زندگی کو نام کچھ بھی دیا جائے اور اس کی کیسی ہی منطقی تاویل کی جائے اس جسم کی تیسری زندگی قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہے اور اس کا جواز تلاش کرنا یا دفاع کرنا محض گمراہی ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ مسلک پرستی اور اکابر پرستی کے مرض میں مبتلا قبوری دین کی عمارت تو اسی خود ساختہ

تیسری زندگی کے عقیدہ پر قائم کی گئی ہے اور اس کے اثبات و دفاع ہی پر اس دین کا دارومدار ہے۔ اگر یہ تیسری زندگی کے باطل موقف سے رجوع کرلیں تو ریت پر استوار یہ عمارت دھڑام سے زمین پر آرہے گی اور ان کے قد آور اکابرین کا فرد مشرک اور شیوخ و علامہ ... ٹھہریں گے! حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی سچی بات پر سر تسلیم خم کردینے کے لیے اس ایمان و علم کی ضرورت ہوتی ہے جو باللہ خشیت پیدا کرے اور یوم حساب کا خوف اکابر پرستی، نفس پرستی، انانیت، خود ستائی و خود پسندی کے جراثیم کا قلع قمع کرڈالے۔ پھر کہیں ہمت و جرات پیدا ہوتی ہے جو باطل کا مردانہ وار مقابلہ کرے، طاغوت کا کفر کرے اور طاغوت پرستوں کو للکارے! دعوت حق ایسے ہی ... ور رجال کو مخاطب کرتی ہے اور رب ذوالجلال ان ہی کو اس مشن کی ذمہ داری کے لیے تیار کرتا ہے۔ رہے یہ دنیا کی طرف جھکنے والے ... کی بڑائی اور تعریف و تحسین اور بلند و بالا القاب کے شیدائی، نفس پرست و اکابر پرست، تو یہ اپنے آبائی مسلک کے دفاع کے لیے ایڑی ... کا زور لگاتے ہوئے، قرآن و حدیث کی غلط تاویل اور باطل استدلال سے بھی گریز نہیں کرتے۔ تیسری زندگی کے موقف کے دفاع کے ... ایسی ہی ایک مثال پیش کی جاتی ہے ملاحظہ ہو :-

یہ درست ہے کہ ہر انسان کے لئے دو زندگیاں اور دو موتیں ہی مقرر کی گئی ہیں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ قرآن کریم ہی میں بعض لوگوں کی تین زندگیوں اور تین موتوں کا بھی تذکرہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(۱) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ (بقرہ : ۲۴۳)

تم نے ان لوگوں کے حال پر بھی کچھ غور کیا، جو موت کے ڈر سے اپنا گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اللہ نے ان سے فرمایا مرجاؤ، پھر اس نے ان کو دوبارہ زندگی بخشی۔

اس آیت سے واضح طور پر تین زندگیوں اور تین موتوں کا ثبوت ملتا ہے۔

(۲) وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (بقرہ : ۵۵، ۵۶)

یاد کرو جب تم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے علانیہ اللہ کو (تم سے کلام کرتے) نہ دیکھ لیں۔ اس وقت تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک زبردست صاعقے نے تم کو کڑ لیا پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ۔

یہ بنی اسرائیل کے ستر نمائندے تھے جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کوہ طور پر اللہ کا کلام سننے گئے تھے۔

(۳) حضرت عیسیٰؑ باذن اللہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہی کی زبانی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ (آل عمران : ۴۹)

(حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا) اور میں مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں۔

یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ حضرت عیسیٰؑ نے معجزہ کے طور پر کتنے مردوں کو زندہ کیا مگر اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے بہت سے مردوں کو زندہ کیا۔

(۴) ایک نبی (حضرت عزیرؑ) کا واقعہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان پر سو سال تک موت طاری فرمادی پھر اسے دوبارہ زندہ فرمادیا

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ (البقرہ : ۲۵۹)

پس اللہ تعالیٰ نے ان پر سو سال تک موت طاری فرمادی پھر اسے زندہ فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ نے جب نبیؑ کو زندہ فرمایا تو اس کے بعد ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے گدھے کو بھی دوبارہ زندہ کردیا۔

(۵) حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں ایک اسرائیلی کو کسی نے قتل کردیا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کرکے اس کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا جائے، چنانچہ وہ مقتول زندہ ہوگیا۔ اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتادیا۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (بقرہ : ۷۳)

اس وقت ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ، اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

(۶) ایک طویل حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد مومن کا یوں تذکرہ فرمایا : "پھر دجال ایک شخص کو جو شباب میں بھرا ہوگا اپنی طرف دعوت دے گا وہ اس کی دعوت کو رد کردیگا۔ دجال غضب ناک ہوکر اسے تلوار مارے گا اور اس جوان کے دو ٹکڑے ہوکر ایک دوسرے سے اتنی دور جاکر گریں گے کہ دونوں کے درمیان پھینکے گئے تیر کے برابر فاصلہ ہوگا۔ پھر دجال ان ٹکڑوں کو بلائے گا اور وہ جوان زندہ ہوکر اٹھ کھڑا ہوگا ............ (صحیح مسلم)

ان دلائل سے واضح طور پر تین زندگیوں اور تین موتوں کا ثبوت ملتا ہے

(عکس الدین الخالص دوسری قسط ص ۲۴۰، ۲۴۱)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ قرآن میں بیان کردہ معجزاتی واقعات کو، جن کی حیثیت استثنائی ہے، جو عام قاعدہ و قانون سے ہٹ کر ہوتے

ن کو عام قاعدہ کلیہ ثابت کیا جا رہا ہے اور اس کے ذریعہ ایک قاعدہ کلیہ کو رد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے برعکس قرآن نے دو
دگیوں اور دو موتوں کا ذکر بطور کلیہ یا قانون کیا جو ایک آفاقی حقیقت ہے۔ معجزہ ایک استثنائی امر ہوتا ہے اسی لیے اس کو خارق العادۃ یا
ق الفطرت یعنی عام قاعدہ کے خلاف کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر معجزہ نہ تو قاعدہ کلیہ ہوتا ہے اور نہ کلیہ کو رد کرنے کے لیے بطور دلیل
ستعمال ہو سکتا ہے۔ استثنائی امور کے ذریعہ اللہ رب العزت اس حقیقت کا اثبات فرماتا ہے کہ وہ حکیم اور قادر مطلق خود اپنے بنائے
ہوئے نظام فطرت اور کلیات کے آگے مجبور نہیں، وہ جب اور جہاں چاہے ان سے انحراف فرمائے، کوئی بھی، سر اس کے مانع نہیں ہو سکتا!
چنانچہ بعض مواقع پر اللہ تعالیٰ نے بطور خرق عادت یا معجزہ کے طور پر دنیا میں ہی موت دے کر پھر زندگی عطا فرمادی۔ لیکن مستثنیات
کو بطور اصول و کلیہ پیش کرنا اور اس کے ذریعہ کلیہ کو رد کرنا تو خالص فریب کاری ہے جو ایک پیشہ ور اور یوم حساب سے بے خوف ہی کے
شایان شان ہے! ہم یہ بھی گمان نہیں کرسکتے کہ یہ فاضل علامہ صاحب کلیہ اور استثناء کا فرق ہی نہیں جانتے کیونکہ خود ہی اپنے ایک موقف
ثابت کرنے کے لئے قانون و استثناء کے فرق کو بیان فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو ○ :-

> ۔ مگر واضح رہے کہ یہ استثنائی حالتیں ہیں قانون نہیں اور استدلال
> صرف عام قاعدہ سے کیا جاتا ہے معجزہ یا استثنائی حالتیں دلیل نہیں بن سکتیں۔
> موصوف کو معلوم ہونا چاہئیے کہ کسی بات
> کا ثبوت عام قانون سے اخذ کیا جاتا ہے۔ استثناء کو قانون نہیں مانا جاتا جس طرح کہ
> معجزہ کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ وہ عام قانون نہیں ہے۔

(عبارات الدین الخالص دوئم ص ۷۲۳، ۲۴۹)

اب ان کے اوپر تو وہی مثل صادق آتی ہے "لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا! " یعنی اپنے وار سے آپ خود ہی گھائل ہو گئے۔ یہ علامہ صاحب تو اس انداز فکر و عمل کے عادی ہی نہیں بلکہ ماہر فن ہیں۔ ایک جگہ ایک دلیل کو اپنے مقصد و موقف کی تائید میں استعمال کرتے ہیں تو دوسری جگہ اسی دلیل کو باطل قرار دیدیتے ہیں۔ ان کے اس انداز اور طرز عمل کا مختصر خاکہ "" انظر الی نوالو جہین "میں پیش کیا گیا تھا۔ قارئین چاہیں تو ایک نظر ڈال لیں۔ (حبل اللہ شمارہ ۱۴)

اس دنیاوی قبر میں دفن کے بعد مردہ جسم میں قیامت سے پہلے روح لوٹنے، مردہ کے زندہ ہونے، سننے اور سمجھنے اور احساس و شعور رکھنے کا یہ باطل عقیدہ شیعہ، بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کے تمام ہی گروہوں کا متفقہ عقیدہ ہے جو سراسر قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ یوں تو اس باطل و گمراہ کن عقیدہ کی تائید و حمایت ہر فرقہ نے خوب ہی کی ہے مگر اپنے آپ کو اہل حدیث اور غیر مقلد کہنے والوں نے تو اس کی وکالت بڑی ہی شد و مد سے کی ہے۔ اس باطل موقف کی دلیل میں ان کے پاس ان کے اکابرین، ابن تیمیہ، ابن کثیر وغیرہ کے اقوال اور ان کی ضخیم کتب ہیں۔ بوالعجبی تو یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے دلیل لینے کی بجائے ان کی نام نہاد دینی خدمات کو سہارا بنایا جاتا ہے مگر جب کسی طرح بات نہیں بنتی تو پھر ان اکابرین کی ہی تقلید میں ضعیف، منکر و موضوع روایات کو بطور دلیل و حجت پیش کرنے لگتے

ہیں۔ قرآن اور بخاری و مسلم کی احادیث کے ٹھوس اور ناقابل رد دلائل کے مقابلہ میں اکابرین کے اقوال یا ضعیف، منکر و موضوع روایات پیش کرنا یقیناً "ایک سفیہانہ انداز ہے بلکہ جہل مرکب اور یہ خود اپنے گمراہ ہونے پر واضح شہادت ہے۔ اس سے تو نصوص قرآنی کا انکار اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔

قرآن و حدیث ہی تو وہ کسوٹی ہے جس پر صحیح معنوں میں کھرے اور کھوٹے کو پر کھا جائے اور حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ چنانچہ حیات و سمع فی القبر کے مشرکانہ عقائد قرآن و حدیث سے متصادم ہونے کے بناء پر قطعاً" قابل رد ہیں لیکن پھر بھی اس کی وکالت پر ہٹ دھرمی سے جمے رہنے والے کبھی کبھی اصولی اور معقول بات کو بھی رد کرنے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی کچھ مثالیں درج بالا سطور میں دی گئی ہیں۔ کچھ مزید ملاحظہ ہوں :-

> **قرآن کریم کے خلاف** | ڈاکٹر عثمانی نے امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کو اس لئے کافر قرار دیا ہے کہ (انہوں نے موصوف کے خیال کے مطابق) قرآن کریم کے خلاف آئی ہوئی احادیث کو تسلیم کیا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کہیں موصوف سے بھی یہ غلطی سرزد تو نہیں ہوئی اور وہ خود اپنے ہی فتوے کی رُو سے کافر تو نہیں ہو گئے چنانچہ ذیل میں ہم چند حقائق کا ذکر کرتے ہیں؛
>
> (۱) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ہر انسان کو دو موتیں اور دو زندگیاں عطا کی گئی ہیں اور اس کا ذکر موصوف نے بھی کیا ہے۔
>
> مگر پھر موصوف اس "قاعدہ کلیہ" سے انحراف کرتے ہوئے حضرت قتادہؒ کے قول سے قلیب بدر والوں کے لئے تین زندگیوں اور تین موتوں کے قائل ہو گئے ہیں۔

(فوٹو عبارات الدین الخالص دوسری قسط ۱۴۴، ۱۴۵)

موصوف نے ان عبارات میں سماع و حیات فی القبر کے عقیدہ کو قرآن و حدیث کے خلاف قرار دینے کے بجائے صرف قرآن کے خلاف کہہ کر کس چابکدستی سے بات کا رخ دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کی ہے۔ قرآن و حدیث کے خلاف تو ہر بات قابل رد ہے اور یہ ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ محتاج دلیل نہیں مگر پھر بھی موصوف کی پریشان خیالی کے پیش نظر شرح نخبۃ الفکر کی درج ذیل عبارت پیش خدمت ہے :-

> ومنها ما یوجد من حال المروی کان یکون مناقضا لنص القرآن او السنۃ المتواترہ اوالاجماع القطعی او صریح العقل حیث لا یقبل شئی من ذالک التاویل۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۱ ترجمہ و تعلیق محمد منظور الوجیدی)

"اور بعض (قرائن) ایسے ہیں کہ راوی کی حالت بتاتی ہے کہ حدیث موضوع ہے مثلاً وہ روایت نص قرآن یا سنت متواتر یا اجماع قطعی یا عقل صریح کے خلاف ہو اور وہ قابل تاویل نہ ہو۔

مذکورہ کتاب (الدین الخالص) کی محولہ بالا عبارت میں ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ قلیب بدر کے واقعہ کو تسلیم کرنے سے بالخصوص

قتادہ کے قول کے روشنی میں، قرآن کے پیش کردہ "دو موتوں اور دو زندگیوں" کے قاعدہ کلیہ سے انحراف ہوتا ہے اور تین موتوں اور تین زندگیوں کے موقف کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہاں موصوف کا پھروہی تجاہل عارفانہ کا انداز ہے یا لوگوں کو مغالطہ دینے کی کوشش۔ ڈاکٹر عثمانی نے تو "مزار میلے" میں صاف صاف لکھ دیا تھا:

"معلوم ہوا کہ قتادہ کی رائے میں یہ سننا معجزہ کے طور پر تھا معمول نہیں" (مزار میلے ص ۲۰) قلیب بدر کا واقعہ محض معجزہ ہے اور معجزہ نہ تو قاعدہ کلیہ کا محتاج ہوتا ہے اور نہ کسی قاعدہ کلیہ یا نص صریح کو رد کرنے کے لیے بطور دلیل استعمال کیا جا سکتا ہے۔ معجزات رب ذوالجلال کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہوتے ہیں، انکو کسی قاعدہ کلیہ اور قانون فطرت کے تناظر میں دیکھنا اور اس کے لیے دلیل کے طور پر استعمال کرنا جہل مرکب ہے۔

صحیح حدیث میں بیان کردہ اس معجزہ کو خلاف قرآن قرار دینا منکرین حدیث والا انداز ہے۔ فی الحقیقت یہ قلیب بدر کا واقعہ تو عین قرآن کے مطابق ہے۔ قرآن میں اور بھی معجزاتی واقعات موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے بیان کئے گئے ہیں جو قواعد کلیہ سے ماوراء ہیں، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک گائے کے گوشت کے ٹکڑے کو ایک مردہ سے مار کر اسکو (باذن اللہ) زندہ کیا گیا، یا عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو باذن اللہ زندہ کیا، تو کیا موصوف ان معجزاتی واقعات کو قاعدہ کلیہ کے خلاف سمجھتے ہوئے، خلاف قرآن قرار دینے کی جسارت کریں گے؟

موصوف کی مزید تشفی کے لیے ان کے ممدوح[1] علامہ ناصر الدین البانی کے اقتباسات بھی پیش خدمت ہیں:

حتى قام على شفة الرَّكيّ ، فجعل يناديهم بأسمائهم وأسماء آبائهم : يا فلان ابن فلان ، : ويا فلان ابن فلان ! أيسرُّكم أنكم أطعتم الله ورسوله ، فإنا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً ، فهل وجدتم ما وعدكم ربكم حقاً ؟ قال : فقال عمر : يارسول الله ! ما تُكلِّم من أجساد لا أرواح فيها ؟ فقال رسول الله ﷺ : « والذي نفسُ محمد بيده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم » . قال قتادة : أحياهم الله حتى أسمعهم قوله توبيخاً ، وتصغيراً ، ونقمة ، وحسرة ، ونَدَماً .

أخرجه الشيخان وغيرهما ، وقد خرجته في التعليق الآتي ( ص ٦ ) من الكتاب .

ووجه الاستدلال بهذا الحديث يتضح بملاحظة أمرين:

**الأول** : ما في الرواية الأولى منه من تقييده ﷺ سماع موتى القليب بقوله : « الآن » ، فإن مفهومه أنهم لايسمعون في غير هذا الوقت . وهو المطلوب . وهذه فائدة هامة نَبَّه عليها العلامة الألوسي - والد المؤلف - رحمهما

بإسماع الله تعالى إياهم خرقاً للعادة ومعجزة للنبي ﷺ كما سيأتي في الكتاب ( ص ١٠ ، ١٥ ) عن بعض العلماء الحنفية ، وغيرهم من المحدثين . وفي تفسير القرطبي ( ١٣/٢٣٢ ) :

« قال ابن عطية :[1] فيشبه أن قصة بدر خرق عادة لمحمد ﷺ في أن ردَّ الله إليهم إدراكاً سمعوا به مقاله ، ولولا إخبار رسول الله ﷺ بسماعهم لحملنا نداءه إياهم على معنى التوبيخ لمن بقي من الكفرة ، وعلى معنى شفاء صدور المؤمنين » .

قلت : ولذلك أورده الخطيب التبريزي في « باب المعجزات » من « المشكاة » ( ج ٣ رقم ٥٩٣٨ - بتخريجي ) .

**والأمر الآخر** : أن النبي ﷺ أقر عمر وغيره من الصحابة على ما كان مستقراً في نفوسهم واعتقادهم أن الموتى لا يسمعون ، بعضهم أومأ ألى ذلك إيماءً ، وبعضهم ذكر ذلك صراحة ، لكن الأمر بحاجة إلى توضيح فأقول :

---

[1] ملاحظہ ہو الدین الخالص دوسری قسط ص ۸۳ اور الفرقۃ الجدیۃ ص ۱۸۷

الله في كتابه « روح المعاني » (٦/٤٥٥) ، ففيه تنبيه قوي على أن الأصل في الموتى أنهم لايسمعون ، ولكن أهل القليب في ذلك الوقت قد سمعوا نداء النبي ﷺ

(١) هو عبد الحق بن غالب بن عطية المحاربي الغرناطي ، مفسر ، فقيه ، أندلسي ، عارف بالأحكام والحديث . توفي سنة (٥٤٢) ، له « المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز » طبع منه جزءان في المغرب .

أما الإيماء فهو في مبادرة الصحابة لما سمعوا نداءه ﷺ لموتى القليب بقولهم : « ما تُكلّم أجساداً لا أرواح فيها » ، فإن في رواية أخرى عن أنس نحوه بلفظ «قالوا» ، بدل : « قال عمر » كما سيأتي في الكتاب (ص ٣٠ ـ ٣٣) ، فلولا أنهم كانوا على علم بذلك سابق تلقوه منه ﷺ ، ما كان لهم أن يبادروه بذلك . وهب أنهم تسرعوا ، وأنكروا بغير علم سابق ، فواجب التبليغ حينئذ يوجب على النبي ﷺ أن يبين لهم أن اعتقادهم هذا خطأ ؛ وأنه لا أصل له في الشرع ، ولم نر في شيء من روايات الحديث مثل هذا البيان ، وغاية ما قال لهم : « ما أنتم بأسمع لما أقول منهم » . وهذا كما ترى ـ ليس فيه تأسيس قاعدة عامة بالنسبة للموتى جميعاً تخالف اعتقادهم السابق ، وإنما هو إخبار عن أهل القليب خاصة ، على أنه ليس ذلك على إطلاقه بالنسبة إليهم أيضاً إذا تذكرت رواية ابن عمر التي فيها « إنهم الآن يسمعون » كما تقدم شرحه ، فسماعهم إذن خاص بذلك الوقت ، وبما قال لهم النبي ﷺ فقط ، فهي واقعة عين لا عموم لها ؛ فلا تدل على أنهم يسمعون دائماً أبداً ،

(عکس عبارت مقدمہ الآیات البینات ناصر الدین البانی ص ۳۸-۴۰)

ترجمہ : اس حدیث سے وجہ استدلال کے دو سبب واضح ہوتے ہیں:

اول : پہلی روایت میں جو کچھ ہے وہ مقید ہے قلیب بدر کے سماع موتی کے ہی لیے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "الان یعنی اس وقت" کے سبب سے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت نہیں سنتے اور یہی مطلوب ہے' اور یہی خاص فائدہ ہے جس سے آگاہ کیا ہے علامہ آلوسی' مولف کے والد نے اپنی کتاب روح المعانی میں (۶ر ۴۵۵)۔ پس اس میں قوی تنبیہ ہے اس اصول کی کہ مردے نہیں سنتے لیکن اہل قلیب نے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء کو سن لیا تھا' جسکو اللہ تعالی نے خرق عادت کے طور پر ان کو سنا دیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے طور پر جیسا کہ کتاب میں بیان کیا جائے گا (ص ۱۰' ۱۵)۔ بعض حنفی علماء اور دوسرے محدثین کے حوالہ سے اور قرطبی کی تفسیر میں ہے (۱۳ر ۲۳۲)۔

"ابن عطیہ نے کہا کہ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ قصہ بدر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خرق عادت (واقعہ) ہے۔ اس معاملہ میں کہ اللہ

تعالٰی نے ان میں ادراک واپس لوٹا دیا جس سے انہوں نے نبی علیہ السلام کی بات سنی۔ اور اگر ان کے سننے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں (احادیث) نہ ہوتیں تو ہم ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان کو پکارنے کو اس پر محمول کرتے کہ باقی ماندہ کفار کی تنبیہ وتوبیخ کے لیے ہے اور مومنوں کے قلوب کی صفائی کیلئے۔

میں (ناصرالدین البانی) کہتا ہوں: اور اسی لیے الخطیب التبریزی اسکو لائے ہیں المشکاۃ کے باب المعجزات میں (ج ۳ رقم ۵۹۳۸)

دوئم: یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ میں سے عمرؓ وغیرہ کے عقیدہ اور جو کچھ ان کے قلب وذہن میں تھا، اسکو برقرار رکھا یعنی یہ کہ مردے نہیں سنتے۔ بعض نے صرف اشارۃً اور بعض نے صراحتاً اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ امروضاحت طلب ہے، چنانچہ میں کہتا ہوں: اشارہ تو صحابہؓ کے اس قول مسابقت میں ہے کہ جب انہوں نے قلیب کے مردوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء سنی تو کہا "آپ کلام کرتے ہیں ان جسموں سے جن میں ارواح نہیں؟"۔

دوسری روایت میں جو انسؓ سے ہے تقریبا یہی کچھ ہے، ان الفاظ کے فرق کے ساتھ "قال عمر (عمر نے کہا)" کے بجائے "قالوا (انہوں نے کہا)" جیسا کہ کتاب میں آئے گا (ص ۳۰-۳۳) پس اگر ان کو پہلے سے اس کا علم نہ ہوتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر اسکو قبول کر لیتے، پھر وہ اس پر سبقت نہ کرتے۔ بفرض محال انہوں نے تیزی کی اور بغیر سابقہ علم کے (مردوں کے سننے کا) انکار کیا، تو اس وقت نبی علیہ السلام پر اس بات کی تبلیغ واجب تھی کہ ان کو واضح کرتے کہ ان کا یہ اعتقاد غلط ہے، اور یہ کہ شرع میں اس کی کوئی بنیاد نہیں، اور حدیث کی روایات میں ہمیں اسطرح وضاحت کی کوئی چیز نہیں ملتی۔ اور نبی علیہ السلام نے یہ جو ان سے کہا "تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں اس بات کے جو میں ان سے کہہ رہا ہوں" اور اسکی غایت یہی ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ اس میں عام قاعدہ کلیہ تمام مردوں کے بارے میں نہیں ہے جو ان (صحابہؓ) کے سابقہ عقیدہ کے خلاف ہو۔ یہ واقعہ قلیب بدر کے لیے خاص ہے اور ان کے لیے بھی علی الاطلاق نہیں جیسا کہ روایت میں بھی مذکور ہے کہ "وہ اس وقت سن رہے ہیں" اور اسکی پہلے تشریح کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ان کو یہ سنانا بھی اسی وقت کے لیے خاص ہے اور صرف اسی (مخصوص) بات کے لیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی۔ یہ واقعہ عین اسی وقت کے لیے ہے، اسکو عموم نہیں اور اس بات کی طرف دلالت بھی نہیں کرتا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سنتے رہیں گے۔"

مزید ملاحظہ ہو:۔

"وان ذالک امر خاص مستثنیٰ من الایہ معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم کما سبق"

"اور یہ امر خاص ہے جو (عدم سماع موتٰی والی) آیات سے مستثنیٰ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

(عکس مقدمہ الآیات البینات ص۴۲)

اب اسکے بعد تو موصوف کے لیے الفاظ کے الٹ پھیر اور باطل تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن قرآن و حدیث کو تجاہل عارفانہ کے ساتھ مغالطہ آرائی کے مقصد کے تحت استعمال کرنے کے فن پر ان کا مکمل بھروسہ ہے اور پورے اعتماد سے وہ یہ حربہ استعمال

کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنی کتاب میں عذاب برزخ ص ۱۳، ۱۴ پر پیش کی گئی بعض احادیث کے تعلق سے مغالطہ آرائی کی رنگ آمیزی کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر عثمانیؒ نے قرآن کے خلاف احادیث پر اپنے مسئلہ کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی ہے گویا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نص صریح کے خلاف موقف اختیار کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں (معاذ اللہ) کیسا جھوٹ ہے یہ اور کس طرح دھاندلی سے کام لیا گیا ہے! ملاحظہ ہو موصوف کی سفیہانہ کرشمہ کاری:

(۲) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے (بدر، احد، احزاب وغیرہ کے موقعوں پر) مسلمین کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کے لشکر اتارے تھے جو کسی کو دکھائی نہ دیئے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا یعنی اور (اللہ تعالیٰ نے) وہ لشکر (تمہاری مدد کے لئے) اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔ (التوبۃ: ۲۶) اب قرآن کریم نے یہ "قاعدہ کلیہ" بیان کر دیا کہ وہ لشکر کسی کو دکھائی نہ دیئے مگر اس کے خلاف موصوف نقل کرتے ہیں:

## فرشتوں کا آلاتِ جنگ پہننا

موسیٰ قال اخبرنا عبدالوهاب حدثنا خالد عن عكرمة عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال يوم بدر هذا جبريل آخذ برأس فرسه عليه اداة الحرب باب (بخاری جلد ۲ عربی صہ ۵۷)

ترجمہ: ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ارشاد فرمایا کہ یہ ہیں جبرئیل اپنے گھوڑے کے سر کو پکڑے ہوئے، اور ان کے اوپر جنگ کے ہتھیار ہیں۔ (بخاری جلد ۲ عربی صہ ۵۷ مطبوعہ دہلی)

باب مرجع النبي صلى الله عليه وسلم من الاحزاب ومخرجه الى بني قريظة ومحاصرته اياهم حدثني عبدالله بن ابي شيبة قال حدثنا ابن نمير عن هشام عن ابيه عن عائشة قالت لما رجع النبي صلى الله عليه وسلم من الخندق ووضع السلاح واغتسل اتاه جبريل فقال قد وضعت السلاح والله ما وضعناه اخرج اليهم قال فالى اين قال ههنا واشار الى بني قريظة فخرج النبي صلى الله عليه وسلم اليهم حدثنا

(فوٹو: بخاری جلد ۲ عربی صہ ۵۹۰)

ترجمہ: عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے محاذِ جنگ سے واپس آئے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے لیکن ہم لوگوں نے ابھی تک نہیں اتارے۔ ان کی طرف (جنگ) کے لئے نکلئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کس طرف جبرئیلؑ نے کہا کہ اس طرف، اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف جنگ کے لئے چلے گئے۔

(بخاری جلد ۲ عربی صہ ۵۹۰)

فرشتے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نظر نہ آئے تب ہتھیاروں سے مسلح تھے اور جب جنگ احد میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دیکھے تو ان کے بدن پر سفید کپڑے تھے۔ بخاری کی حدیث ہے:

حدثنا عبد العزیز بن عبد اللہ قال حدثنا
ابراهیم بن سعد عن ابیه عن جده عن سعد بن ابی وقاص قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یوم احد ومعه رجلان یقاتلان عنه علیهما ثیاب بیض کاشد القتال ما رأیتهما قبل ولا بعد حدثنی

(فوٹو: بخاری جلد ۲ عربی صہ ۵۸۰)

ترجمہ: سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو شخصوں کو دیکھا جو آپ کے دفاع میں جنگ کر رہے تھے ان دونوں کے اوپر سفید کپڑے تھے اور وہ شدید جنگ کر رہے تھے۔ میں نے اُن کو نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اُس کے بعد دیکھا۔ ترجمہ بخاری جلد ۲ صفحہ مسلم کی حدیث میں اس بیان کے بعد اُن کے نام جبرئیل اور میکائیل علیہما الصلوٰۃ والسلام بھی آئے ہیں۔

(مسلم عربی جلد ۲ صہ ۲۵۲)

عکس عبارت الدین الخالص دوسری قسط صفحہ ۱۴۶

بخاری و مسلم کے علاوہ دُوسری روایتوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ بدر و حُنین میں اُن کے سروں پر رنگین عمامے تھے۔ کپڑے، ہتھیار، عمامے تو فرشتے پہن سکتے ہیں مگر جوتے نہیں پہن سکتے۔ برزخ میں انسانوں کے پاس آئیں تو لازم ہے کہ ننگے بدن ننگے سر اور ننگے پیر آئیں ورنہ اپنے استدلال کے پائے چوبیں کی سخت بے تمکینی کا مُداوا مشکل ہو جائے گا۔

(عکس عذاب قبر صہ ۱۳، ۱۴)

موصوف نے یہاں بھی قرآن کریم کے "قاعدہ کلیہ" سے انحراف کیا ہے اور قرآن کریم کے واضح فرمان کے خلاف انہوں نے ان احادیث پر اپنے مسئلہ کی بنیاد رکھی ہے۔

(فوٹو الدین الخالص صہ ۱۴۵ تا ۱۴۷)

معلوم ہوتا ہے کہ جوش مخالفت میں ہوش و حواس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ذاتی مخالفت اور ضد میں حق سے تجاوز کر کے احادیث صحیحہ کو بھی خلاف قرآن قرار دیدیا۔ ذرا سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کا بغور مطالعہ کر لیا جائے تاکہ معاملہ فہمی میں آسانی ہو:

لقد نصر کم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذا عجبتکم کثر تکم فلم تغن عنکم شیا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ۝ ثم انزل اللہ سکینہ علی رسولہ و علی المومنین وانزل جنودا لم تروھا و عذب الذین کفروا وذالک جزاء الکفرین ۝ (التوبہ: ۲۵، ۲۶)

"اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد فرمائی ہے اور حنین کے دن جبکہ تم کو اپنی کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی طرف سے سکینت نازل فرمائی اور (تمہاری مدد کے لیے فرشتوں کے) لشکر نازل فرمائے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اور کافروں کو عذاب دیا' اور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف غزوات میں کثیر مواقع پر مسلمانوں کی مدد فرمائی اور خصوصاً غزوہ حنین کے موقعہ پر لشکر بھیج کر مدد فرمائی۔ یوں تو فرشتوں نے مختلف غزوات میں مومنوں کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کی ہے لیکن "وانزل جنودا لم

تروھا" کے الفاظ تو غزوہ حنین ہی سے متعلق ہیں[1]۔ قرآن کے بیان کردہ الفاظ اور احادیث کے تقابل سے پہلے ذرا لفظ "جنود" کو سمجھ لیا جائے۔ یہ جند کی جمع ہے اور اس کے معنی "لشکر" کے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب احادیث مذکورہ میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ صحابہؓ نے لشکروں کو دیکھا تو پھر حدیث کا قرآن سے تصادم کس طرح ہو گیا؟ اور ڈاکٹر عثمانیؒ کا کونسا موقف اس قاعدہ کلیہ کے خلاف ہو گیا جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ تو بغیر رائی کے پہاڑ بنانے کی مترادف ہے۔ احادیث میں صحابہؓ کے فرشتوں کو دیکھنے کا جہاں کہیں ذکر ہے وہ انسانی شکل میں ہی ہے نہ کہ ان کی اصلی شکل میں۔ حدیث جبرئیل میں جبرائیل علیہ السلام کے آنے کا تذکرہ انسانی شکل میں ہے' غزوہ بدر و احد میں فرشتوں کی موجودگی بھی انسانی شکل میں ہے' لیکن کسی بھی موقعہ پر صحابہؓ نے از خود ان کو نہ پہچانا بلکہ ہر موقعہ پر نبی علیہ السلام نے ہی وضاحت فرمائی کہ "یہ جبرائیل ہیں' یہ میکائکل ہیں" وغیرہ۔ اسطرح یہ بات واضح ہو گئی کہ احادیث "وانزل جنود الم تروھا" سے ذرا بھی متصادم نہیں۔

درج بالا سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے مخالفین حق اپنے باطل موقف اور اکابرین کے دفاع میں کوئی بنیاد نہ ہوتے ہوئے بھی عوام کو ورغلانے کے لیے کیسے کیسے حربے استعمال کرتے ہیں۔ کاش یہ اس مہلت عمل کو سعی لا حاصل میں گنوا دینے کے بجائے توبہ کر کے رجوع الی اللہ کا رویہ اختیار کر لیں اور ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کے لیے فرمایا گیا:

○.....انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین (آل عمران:۱۷۸)

"ہم تو انہیں محض اسی لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بار گناہ سمیٹ لیں"

## بقیہ :۔ اسلام اور جمہوریت کا تضاد

○.....ثم جعلنٰک علیٰ شریعة من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھوآء الذین لا یعلمون ○ انھم لن یغنوا عنک من اللہ شیئاً وان الظلمین بعضھم اولیاء بعض واللہ ولی المتقین ○ ھذا بصائر للناس وھدی ورحمة لقوم یوقنون ○ (الجاثیتہ : ۱۸-۲۰)

"(اے نبی) پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے (شریعت) پر (قائم) کر دیا لہٰذا تم اسی پر چلو اور نادانوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ یہ اللہ کے مقابلے میں تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں جبکہ اللہ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ یہ (قرآن) لوگوں کے لیے دانائی کی باتیں ہیں اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔"

---

[1] غزوہ بدر میں شیطان فرشتوں کو دیکھ کر راہ فرار اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے "انی اریٰ مالا ترون" (یعنی میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو)۔ (سورۃ انفال : ۴۸)